© rasailojaraid.com

مقالہ برائے سیمینار 'اجتماعی اجتہاد'

حافظ عبد الرحمٰن مدنی

تعبیر شریعت اور پارلیمنٹ

پاکستان میں علامہ اقبالؒ اور پارلیمانی اجتہاد کے بارے میں اکثر لوگوں کی تحریریں نظر سے گزرتی رہتی ہیں جن میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ پاکستان میں تعبیر شریعت کے لئے پارلیمنٹ کو قانون سازی کا اختیار دیا جائے یا اعلیٰ عدلیہ کے ذریعے مروّجہ قوانین کی تصحیح کی جائے۔ حالانکہ دنیائے اسلام میں شریعت کا کامیاب جزوی یا کلی نفاذ دیگر طریقوں سے بھی ہوا ہے۔

زیر نظر مقالہ میں محترم مدیر اعلیٰ محدث نے نفاذِ شریعت میں اُمت ِمحمدیہ ؐ کے چار مشہور نظریات پر تبصرہ پیش کیا ہے اور اسی سے متعلقہ مختلف پہلوؤں تک اپنی گفتگو کو محدود رکھا ہے۔

اُنہوں نے سب سے پہلے مفکرِ پاکستان علامہ محمد اقبالؒ کے نظریہ کو ان کی متوازن رائے کا انتخاب کرکے پیش کیا ہے کیونکہ پاکستان کے بہت سے دانشوران کے نظریہ اجتہاد کو افراط وتفریط کی صورت میں پیش کرکے نفاذِ شریعت کے بارے میں من مانی تاویلیں کرتے رہتے ہیں۔

اس مقالہ میں پیش کردہ دوسرا نظریہ اس اعتبار سے بڑا اہم ہے کہ ماضی قریب میں جنوبی ایشیا کی دو اہم حکومتوں نے اسے شریعت کے نفاذ کے حوالے سے اختیار کیا۔ ایران کا انقلابِ جدید اور افغانستان میں طالبان کی حکومت اسی کی بازگشت ہے۔

تیسرا نظریہ ہمارے ملک کے کئی آزاد خیال اہل علم اور دینی سیاسی جماعتوں کے زعما کی طرف سے زندگی کے پرائیویٹ پہلو کو چھوڑ کر پبلک لاء کی شکل میں نافذ کرنے کے لئے تجویز کیا جاتا رہا ہے۔ جس کی رو سے پارلیمنٹ کو شریعت کا پبلک لاء وضع کرنے کا اختیار ہے اور ہر فرقہ کو پرسنل لاء کی آزادی رہنی چاہئے۔

چوتھا نظریہ اُمتِ مسلمہ کے اندر ابتدا ہی سے چلا آرہا ہے۔ اور عالم اسلام کے اہم حصہ سعودی عرب سمیت خلیجی ممالک کے اندر شریعت کی عمل داری کی حد تک عرصہ سے رائج ہے۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلے میں مصر کے بعض جدید علما، جو اگرچہ عہدِ نبوت سے لے کر دورِ حاضر تک عالم اسلام میں شریعت کو دفعہ وار قانون کی شکل دیے بغیر کتاب وسنت کی عمل داری کا اعتراف تو کرتے ہیں لیکن تَقنِین شریعت کو بھی دورِ حاضر کی ایک ضرورت سمجھتے ہیں، اُنہوں نے سعودی مملکت کے بانی شاہ عبد العزیز بن عبد الرحمٰن آل سعود کے ساتھ بالمشافہہ ملاقاتوں کے علاوہ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے تَقنِین شریعت کو اپنانے کے لئے سرگرم کوششیں بھی کیں لیکن خلیجی حکومتوں میں اُن کے نظریہ کو پذیرائی نہ مل سکی، البتہ بہت سے جدید موسوعاتِ فقهية ضرور تیار ہوگئے جن کی افادیت نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔

پاکستانی اعلیٰ عدلیہ کی کئی ممتاز شخصیتیں سعودی عرب اور پاکستان میں نفاذِ شریعت کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچیں کہ پاکستان کو بھی نفاذ شریعت کے سلسلے میں خلیجی ممالک کا انداز ہی اپنانا چاہئے۔ جن میں سے جسٹس بدیع الزمان کیکاؤس مرحوم کے بعد وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس گل محمد خاں مرحوم اس نظریہ کی اہمیت اور اس کے بعض امتیازی پہلوؤں پر انگریزی اور اُردو جرائد میں لکھتے بھی رہے ہیں۔

مذکورہ بالا چاروں نظریات کا جائزہ لینے سے پہلے بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا کتاب وسنت کی تدوین جو فقہِ اسلامی کے وسیع ورثہ کے ساتھ ہمارے ہاں موجود ہے، کے ذریعے پاکستان میں سعودی عرب وغیرہ کی طرح شریعت کی عمل داری زیادہ کامیاب ہوگی یا تعبیر شریعت کے لئے فقہ کی دفعہ وار قانون سازی زیادہ موزوں ہے؟

پاکستان کی سپریم کورٹ کا شریعت بنچ اعلیٰ آئینی عدالت کی حیثیت سے ۱۹۸۶ء میں دیوانی اور ۱۹۹۱ء میں فوجداری؛ ہر دو سطح پر کتاب وسنت کی تقنین کئے بغیر نہ صرف شریعت کے عملاً نفاذ کا فیصلہ کر چکا ہے بلکہ کئی دفعہ متعدد دیوانی اور فوجداری قوانین بروقت نئی قانون سازی مکمل نہ ہونے کی بنا پر کالعدم بھی رہے حتیٰ کہ مروّجہ قصاص و دیت آرڈیننس سپریم کورٹ سے مزید مہلت نہ ملنے کی بنا پر ہی حکومت کو موجودہ ناقص صورت میں نافذ کرنا پڑا۔

چونکہ مذکورہ بالا نظریات کے متعدد پہلو تفصیلی بحثوں کے محتاج ہیں، اس لئے زیر نظر مقالہ میں ان پہلوؤں پر صرف اشارات ہی پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ ہر بحث ایک مستقل مقالے کی

متقاضی ہے۔ ماہنامہ 'محدث' اور دیگر جرائد ومجلّات میں بعض پہلوؤں پر بکھری ہوئی کچھ تحریریں ضرور شائع ہوئی ہیں، لیکن بالخصوص خلیجی ممالک کا نقطہ نظر ہمارے علمی حلقوں میں بھی متعارف نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس نقطہ نظر کے حق اور مخالفت میں عربی زبان میں تو کافی مواد ملتاہے لیکن اُردو میں اس پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ بہرصورت ما لا یدرك کله لا یترك کله کے مصداق زیرنظر مقالہ ہدیۂ قارئین ہے۔ (حافظ حسن مدنی)

بسم الله الرحمن الرحیم

'پارلیمنٹ کا اجتہاد اور تعبیرِ شریعت' کا موضوع ان ممالک میں بڑی اہمیت کا حامل ہے جہاں نفاذِ شریعت اور اسلام کو حکومتی سطح پر اپنانے کی کاوشیں ہوتی رہتی ہیں۔اس سلسلے میں جہاں ترکی کے مصطفیٰ کمال پاشا کے تصورات کو زیر بحث لایا جاسکتا ہے، وہاں علامہ اقبالؒ کا نکتہ نظر بھی عموماً اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے وردِ زبان رہتا ہے۔اس سلسلے میں یہ بحث بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اسلام میں اجتماعی اجتہاد کی کیا حیثیت ہے؟ ایسے ہی کسی مجتہد کا اجتہاد کیا دوسروں کے لئے بھی حجت ہوتا ہے؟ حکمران شریعت کی تعبیر کے بارے میں کیا اختیارات رکھتے ہیں یا ان کا دائرۂ عمل صرف شریعت کے نفاذ کی تدبیر اور انتظامی اُمور تک محدود ہے۔'پارلیمانی اجتہاد' کے بارے میں مختلف نکتہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں:

پہلا نظریہ

شریعت کی روشنی میں بالخصوص سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کی روحِ عصر کے مطابق تعبیرنو ضروری ہے۔موجودہ ترقی یافتہ دور کے بدلتے تقاضے اجتہادِ نو کی دعوت دیتے ہیں اور موجودہ فرقہ وارانہ کشمکش میں پارلیمنٹ کا ہی ایسا اجتہاد معتبر ہوسکتا ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا کے جدید ترکی کی 'گرینڈ نیشنل اسمبلی' نے بھی قرار دیا تھا کہ خلافت وامامت کو فردِ واحد کے بجائے کئی افراد پر مشتمل ادارے یا منتخب اسمبلی کے سپرد کیا جاسکتا ہے۔ جدید دور میں یہی اجماعِ اُمت ہے۔ پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لئے ائمہ سلفؒ کی تقلید کی بجائے پارلیمنٹ کے سرکاری فیصلوں کی پابندی ہونی چاہیے۔[1]

© rasailojaraid.com

دوسرا نظریہ

قرآن وسنت میں منصوص مسائل کے علاوہ ائمہ سلف نے خلفاے راشدین/ائمہ اہل بیت کے طرزِ عمل سے ماخوذ مکمل نظامِ حیات پیش کردیا ہے۔ اب چونکہ مستقل اجتہاد کی اہلیت باقی نہیں رہی، اس لئے انہی مدوّن کتبِ فقہ سے احکام کا استخراج کرکے کام چلانا چاہئے جو شیعہ رسنی مکاتبِ فکر کے ہاں مسلمہ ہیں۔ ریاست کا مسلک اس فقہ کے مطابق ہو جس کے پیروکاروں کی ملک میں اکثریت ہو۔ اس معاملہ میں برتری علماے فقہ کو حاصل ہے جبکہ اقلیتی فرقوں کو صرف پرسنل لاز میں آزادی دی جائے۔[۲]

تیسرا نظریہ

عقیدہ، عبادات اور عائلی مسائل میں ہر فرقہ اپنی اپنی فقہ پر عمل پیرا ہونے کا اختیار رکھتا ہے البتہ معاشرت، معیشت، اور سیاست سے متعلقہ اُمور اسلامی اُصولوں کی روشنی میں پارلیمنٹ طے کرے۔ اس سلسلے میں ایسا رویہ اختیار کیا جائے کہ پارلیمنٹ میں علما کو بھی بھرپور نمائندگی حاصل ہو تاکہ بیک وقت مہارتِ علمی کے ساتھ ساتھ عوام کا اعتماد بھی حاصل ہوجائے۔ چنانچہ اس کے لئے اسمبلی کی رکنیت کی شرائط اور بعض دیگر طریقوں کی تجاویز بھی پیش کی جاتی ہیں۔[۳]

چوتھا نظریہ

شریعت قرآن وسنت کی شکل میں ہمارے پاس مدوّن صورت میں محفوظ ہے۔ قرآن دستورِ حیات ہے تو سنتِ رسولؐ اس کی حتمی اور ابدی تعبیر[۴] اجتہاد انفرادی ہو یا اجتماعی، شریعت کا حصہ نہیں بلکہ پیش آمدہ مسائل کو منشاءِ الٰہی کے تابع انجام دینے اور شرع کی حدود کے اندر رکھنے کا طریق کار ہے۔ فتوے اور قضا میں اجتہاد کی اہمیت شریعت کی وسعتوں کی دلیل ہے۔ اس بارے میں مجتہد کی غلطی پر بھی اسے مخلصانہ اجتہاد کا اجر ملے گا لیکن شریعت واحدہ ہونے کے باوجود فقہ واجتہاد مختلف اور متعدد بھی ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح مسائل کی نوعیت کی تبدیلی کی بنا پر شریعت کے دائمی ہونے کے باوجود علماء کے اجتہاد وفتویٰ کا تغیر ممکن ہے۔ پارلیمنٹ کے فیصلوں کا اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان کا تعلق اصلاً شریعت کے تعبیر واطلاق سے نہیں

ہوتا بلکہ قانون وضع کرنے کا مقصد امکانی صورتوں کی احاطہ گری ہوتا ہے جو تدبیر اور انتظامی اُمور کو منضبط کرنے کا کام ہے یعنی یہ ضابطہ بندی اجتہاد کے دائرہ سے خارج شے ہے، گویا فنی طور پر بھی فقہ کی تشکیلِ نو اور شریعت کی تَقنین (قانون سازی) دو مختلف امر ہیں۔ بلا شبہ شرع میں اضافہ وتبدیلی کی گنجائش خلیفہ یا امام کو بھی نہیں ہے۔ اس طرح انسانوں کو انسانوں کی غلامی میں نہیں دیا جاسکتا۔⑤

علامہ اقبالؒ کی آرا حتمی نہیں بلکہ فکر ونظر کے ارتقائی مراحل ہیں!

اس سلسلے میں بحث شروع کرنے سے قبل یہ امر واضح کرنا ضروری ہے کہ تحریکِ پاکستان کے حوالے سے علامہ اقبالؒ کا فکری مقام بلا شبہ مسلم ہے اور اس تناظر میں فکرِ اقبال کی اپنی جگہ اہمیت بھی بجا ہے لیکن علامہؒ کی اس حیثیت کا یہ لازمہ نہیں کہ انہیں ائمہ سلف کے مقابل لا کھڑا کیا جائے اور پھر اس تقابل کے نتیجے میں ائمہ سلف کو تو دورِ ملوکیت کا پروردہ جبکہ اقبالؒ کو 'اسلامی نشاۃِ ثانیہ' کا 'حدی خواں' قرار دیا جائے جیسا کہ اقبالؒ کے بعض مداحوں کا شیوہ ہے۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ ائمہ سلف اور اقبال کے میدان ہائے کار الگ الگ تھے اور انہیں پیش آنے والے حالات میں بھی باہمی مماثلت موجود نہیں۔

جو لوگ اسلامی ریاست کی فکری تشکیل میں علامہؒ کے نظریات کو دلیل بنا کر انہیں مجتہدِ مستقل کا مقام دینا چاہتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ علامہ اقبالؒ کے یہ نظریات ان کی ٹھوس آرا کی بجائے ان کے ارتقائی نظریات تھے۔ چنانچہ کائناتِ ارضی کے مختلف حصوں میں رونما ہونے والے واقعات پر غور وفکر کے نتیجے میں اقبالؒ کے ان نظریات کو، جو فکرِ اقبال کے حاملین کو ان کے عقائد نظر آتے ہیں، منزل تک پہنچنے سے قبل اس راہ کی بھول بھلیوں یا درمیانی مراحل کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔

عقیدہ کی بجائے نظریاتی ارتقا کی ایک قرآنی مثال

بطورِ مثال حضرت ابراہیمؑ کو دیکھئے کہ 'رؤیت ملکوتِ سماوی و ارضی' کے سلسلہ میں آپؑ ستارے سے لے کر چاند اور پھر سورج تک کے لئے اپنے خاص عندیے کا اظہار فرماتے رہے لیکن بالآخر آپؑ تائیدِ ایزدی سے اصل حقیقت کی تہ تک پہنچ گئے۔ قرآن مجید نے ان حالات

© rasailojaraid.com

کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور طبریؒ وغیرہ مفسرین نے ان واقعات کو مشرکین سے مناظرہ کی بجائے حضرت ابراہیمؑ کے اپنے غوروفکر کے ابتدائی مراحل قرار[6] دیا ہے۔

اس کے برعکس علامہ اقبالؒ کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کرنے والوں کا اشکال یہ ہے کہ وہ ان کے نظریات کو علامہ کی پختہ اور حتمی آرا ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ برصغیر کے اس دور میں پاکستان جیسی مجوزہ اسلامی ریاست محض ایک تخیل تھا اور ایسے تخیل سے مفکر کا تعلق زیادہ تر رومانوی ہوتا ہے۔ وہ اپنے افکار ونظریات کو اپنی آخری اور حتمی رعملی تجاویز کے طور پر پیش نہیں کرتا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تشکیل ریاست کے بارے میں علامہ کی طرف سے ایسے فلسفیانہ مباحث میں شرکت کو علامہ کی ائمہ سلف پر برتری کی دلیل بنالیا جائے ؟

بالخصوص اس لئے کہ علامہ نے جس دور میں آنکھ کھولی، یہ مذہب و سیاست کی ثنویت یا اسلام اور سیکولرزم کی فکری جنگ کا زمانہ تھا، جس میں کہیں مذہبی روایات کے تحفظ کے لئے جہاد ہورہا تھا تو کہیں سیاسی سطح پر اسلام کا نفاذ ہی وقت کی مسلم تحریکوں کا مطمح نظر بن رہا تھا۔ ان حالات میں فکری افراط وتفریط ایک لابدی امر تھا۔ لہٰذا آج ائمہ سلف کی نام لیوا بعض شخصیتوں کے طرزِ عمل کے حوالہ سے، خود ائمہ پر یوں کیچڑ اُچھالنا کہ ان کی فقیہانہ مساعی ملوکیت کی تائید کے لئے تھیں، جبکہ علامہ اقبالؒ اسلامی نشاۃِ ثانیہ کے واحد حدی خواں تھے؛ کوئی پسندیدہ رویہ نہیں کہلا سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص موجودہ مسلم تحریکوں کے قائدین پر یہ الزام تراشی شروع کردے کہ ان کی تمام تر جدید مساعی مسلمانوں میں سیکولر جمہوریت کو ترویج دینے کے لئے تھیں تو اسے مستحسن فعل قرار نہیں دیا جائے گا۔

ائمہ اسلاف کی خدمات مسلمہ ہیں!

دورِ جدید میں اسلامی مملکت کے مختلف پہلوؤں پر خیال آرائی کیلئے ہمارے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ چنانچہ جمہوریت و آمریت کا تقابل کرتے ہوئے اسلامی خلافت کے موضوع کو بھی زیر بحث لایا جاسکتا ہے اور اس کی تشکیل کے لئے تجاویز بھی پیش کی جاسکتی ہیں لیکن عصرِ حاضر کے تناظر میں ائمہ سلف کی کردار کشی کرنا، نہ صرف بہت بڑی جسارت اور پرلے درجے کی ناقدر شناسی ہے بلکہ انتہائی ناانصافی بھی۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ علمی سطح پر

© rasailojarald.com

انہوں نے عبادات ومعاملات کے جملہ پہلوؤں پر عملی تفصیلات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ سیاست وحکومت کی غلط روشوں کا مردانہ وار مقابلہ بھی کیا ہے۔کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن ائمہ اربعہ سمیت معتدبہ ائمہ کی قربانیاں تاریخ کے اوراق میں ثبت ہوکر بقاے دوام کی حیثیت اختیار کرچکی ہیں۔

❁ البتہ ائمہ کے زمانے اور موجودہ دور میں یہ فرق ضرور ہے کہ ان لوگوں نے سیاسی اُمور میں جو کچھ بھی کہا، شرعی نکات کی وضاحت کے لئے کہا کیونکہ اس دور میں زندگی ایک وحدت تھی۔ حتیٰ کہ تدبیری اور انتظامی اُمور بھی شرعی ہدایات کی روشنی میں انجام پاتے تھے، جبکہ دورِ حاضر میں سیاست اور مذہب الگ الگ ہوگئے ہیں، لہٰذا اسلام کے نام سے سیاسی فلسفے بھگارنے کو ہی زندگی کے جامع فکر کی معراج سمجھا جانے لگا ہے۔

کیا 'اجتہاد' شریعت کے خلا پُر کرنے کا نام ہے؟

اس بحث کو آگے بڑھانے سے قبل ایک اور اہم تصور کا نکھار بھی ضروری ہے کہ اسلام میں اجتہاد کا بنیادی فنکشن کیا ہے؟ اجتہاد کیا بذاتِ خود تشریع (شریعت سازی) ہے[۷] یا فقط شریعت کی تفہیم اور بدلتے حالات کے تقاضوں کے مطابق شریعت کے اطلاق یا وسعت[۸] کا نام ہے؟

اسلامی شریعت میں سیاست وحکومت کے تمام اُمور بھی شریعت کی نگرانی میں طے پاتے ہیں اس کے باوجود مقامِ حیرت ہے کہ بعض دانشور جسارت کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ شریعت نے اسلامی حکومت کا کوئی مخصوص نظام نہیں دیا، لہٰذا احکامِ الٰہی کی غیر موجودگی میں یہ خلا اجتہاد سے پر کیا جائے گا۔ درحقیقت یہ لوگ اجتہاد کی تعریف ہی سے واقف نہیں ۔ اجتہاد کا کام شریعت کے خلا پر کرنا نہیں، بلکہ زندگی کے متنوع پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے شریعت کی وسعتوں کی تلاش اور انہیں احکامِ الٰہی کی حدود میں لانے کا نام 'اجتہاد' ہے، تاکہ مسلمان مکمل طور پر اپنی زندگیاں منشا الٰہی کے مطابق بسر کرسکیں۔ اسلام کا اپنی طرز کا مکمل امتیازی دستورِ حیات 'کتاب وسنت' ہیں اور مذہب وسیاست کے جملہ اُمور بھی اسی دستور کی روشنی میں انجام پاتے ہیں۔ جبکہ جدید ریاستوں کے موجودہ دساتیر صرف ملکی سیاست تک محدود ہوتے ہیں اور انہیں فرد ومعاشرہ کی غیر سیاسی زندگی سے براہِ راست کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

یہ دساتیر وقوانین ریاست کے حکمران یا عوامی نمائندے بناتے ہیں اور وہی ان کی تعبیر وتغیر کے ذمہ دار ہوتے ہیں، لیکن اسلام میں نہ تو دستورِ حیات انسانی عقل وتجربہ کا نتیجہ یا اس کا محتاج ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی تعبیر وتنفیذ انسانی تگ وتاز پر منحصر رکھی گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب (قرآنِ مجید) نازل فرما کر سنت ِرسول (ﷺ) سے اس کی تعبیر وتنفیذ بھی ہمیشہ کے لئے کردی ہے۔ اب انسانی تفکر وتعقل سے ہزاروں نکتہ آفرینیاں تو کی جاسکتی ہیں، لیکن ان میں سے کسی کو بھی حتمی مرادِ الٰہی نہیں قرار دیا جاسکتا۔[9] ہاں صرف اورصرف سنت وحدیث ِرسولؐ ہی حتمی تعبیر دین ہے کیونکہ رسولؐ بہرحال معصوم ہوتا ہے، اوراس کے علاوہ کوئی شخص بھی معصوم عن الخطاء نہیں سمجھا جاسکتا۔

اسلام دورِ نبویؐ سے نافذ ہے!

اسلام کے اس دستوری فکر سے ناواقفی کی بنا پر ہی جدید سیاسی بزرجمہروں نے عوام کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کردی ہے کہ جس طرح دستور وقانون پارلیمنٹ وحکومت پہلے خود وضع کرتی ہے اور پھر اس کا نفاذ کرتی ہے بالکل اسی طرح پہلے شریعت وضع کرنی پڑے گی اور پھر اس کا نفاذ عمل میں آئے گا۔ حالانکہ شریعت اللہ کی طرف سے مکمل ہوکر قیامت تک کے لئے نافذ ہوچکی اور ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾[10] کے الفاظ سے اس کا اعلان بھی ہوچکا ہے جس کا انتہائی واضح بلکہ عملی ثبوت یہ ہے کہ آج تک بہت سے مسلمان عبادات کے علاوہ سیاست واقتصاد سمیت اجتماعی معاملات میں بھی، ذاتی طور پر شریعت کے احکام کی اتباع کرتے چلے آرہے ہیں۔ ورنہ نفاذ سے قبل کسی قانون یا شرعی حکم کی تعمیل کا کوئی معنی ہی نہیں۔ البتہ حکومت سے اگر نفاذِ شریعت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اسکا معنی صرف یہ ہے کہ وہ قانونی طور پر بھی اس کا اعلان کرکے اپنے تئیں مسلمان بنائے اور یوں عوام وحکومت کے رویوں میں یکسانیت پیدا ہوجائے۔

کتاب اللہ کی تنزیل کے ساتھ ساتھ سنت وحدیث کی شکل میں تعبیر شریعت بھی ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں مکمل ہوچکی۔ سورۃ النحل میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾[11]

''ہم نے کتاب (بتدریج) نازل فرما کر اس میں ہر شے بہت وضاحت سے پیش کردی ہے۔''

دوسری جگہ اسی سورۃ میں ارشاد ہوا:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ...... الآية﴾ [۱۲]

''ہم نے یہ ذکر آپؐ پر نازل فرمایا ہے تاکہ آپؐ اسے لوگوں کے سامنے بیان کریں۔''

پھر قرآن مجید ہی نے بتلایا کہ جس طرح اللہ ربّ العزت نے قرآنِ مجید کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اسی طرح اس کے بیان (تعبیر بصورتِ سنت وحدیث) کی حفاظت بھی اللہ ربّ العزت کے ذمہ ہے:

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَـهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ [۱۳]

''اس قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ (نبیؐ!) جب ہم قرآن پڑھیں تو آپؐ اس پڑھنے کی اتباع کریں۔ پھر اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

یوں کتاب اللہ کو رسولِ کریم ﷺ کی زندگی (سنت وحدیث) میں پروکر ہمارے سامنے پیش کردیا گیا ہے، لہٰذا اسی کی پابندی کرکے ہم زندگی کے جملہ شعبوں میں راہنمائی حاصل کرسکتے ہیں۔ گویا جب دستورِ حیات (قرآن مجید) بھی مل گیا اور اس کی تعبیر بھی سنتِ رسولؐ کے ذریعہ متعین ہوچکی تو ہمارا کام اب صرف یہ ہے کہ اسی دستور کو مضبوطی سے پکڑ کر اس پر عمل پیرا ہوں اور فرد و معاشرہ کی فلاح ونجات سے ہم کنار ہوں۔[۱۴]

اجتہاد کا حق صرف علماءِ دین کو حاصل ہے؟

اندریں صورت اسلام کی پارلیمانی تعبیر یا پرائیویٹ تعبیر کی بحث ہی بے بنیاد اور بلا جواز ہے۔ حکومت ہو یا علما اور عوام، سبھی کتاب وسنت (اسلامی دستور وتعبیر) کے پابند ہیں جو ان کی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے لئے کامل واکمل موجود ومحفوظ ہیں۔ باقی رہا اجتہاد کا معاملہ تو یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ اجتہاد دراصل شرعی احکام ہی کی تلاش واطلاق کا نام ہے، کوئی نئی شریعت وضع کرلینے کا نام نہیں۔ لہٰذا اس سلسلہ میں ضرورتوں کے مطابق وہی لوگ رہنمائی دے سکتے ہیں جو کتاب وسنت کی زبان اور اس کے علوم کے ماہر اور ان کی بھرپور بصیرت رکھتے ہوں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مریض کا علاج ڈاکٹر کرتا ہے، اور عمارت ومشین انجینئر کے ہاتھوں تیار

© rasailojaraid.com

ہوتی ہے، بالکل اسی طرح اجتہاد بھی ماہرین علوم شریعت کا کام ہے، یہ ہر کس و ناکس کا کارنامہ نہیں۔ ورنہ جس طرح نیم حکیم خطرۂ جان ہوتا ہے، بالکل اسی طرح نیم ملا خطرۂ ایمان ہوتا ہے۔ لہٰذا علما کو تھیا کریسی کا طعنہ دے کر اجتہادی ذمہ داریاں عوام کے سپرد کردینا نرا احمقانہ تصور ہے۔ مقامِ غور ہے کہ اسلام میں جب نہ تو دستور و قانون وضع کرنے کا اختیار ہی علما کے پاس ہے اور نہ ہی ان کی تعبیر (انفرادی ہو یا اجتماعی) دائمی یا عالمگیر ہوتی ہے تو تھیا کریسی (پاپائیت) کیونکر قائم ہوگئی؟

'اجتہاد' میں حکومت اتھارٹی ہے نہ علماءِ دین!

دستور و قانون کے سلسلہ میں کسی خاص طبقے کی وضع و تعبیر کے اعتبار سے اجارہ داری تھیا کریسی کی بنیادی روح ہے جو دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ شخصی برتری کی بنا پر کسی طبقے کو حاصل ہوتی ہے۔ یہی حال حکمرانوں کے تصور 'اختیارِ حقوقِ ربانی' (Devine Rules of Kingdom) کا ہے۔ چنانچہ دستور و تعبیر میں علما کو دائمی اور عالمگیر اتھارٹی مانا جائے یا حکمرانوں اور پارلیمنٹ کو، یہ بہرحال خدائی حقوق میں دخل اندازی ہے جس کی قرآن مجید نے یوں مذمت فرمائی ہے:

﴿اِتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ...... الاية﴾ [۱۵]

''اُنہوں (یہود و نصاریٰ نے) اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا ربّ ٹھہرالیا۔''

مروی ہے کہ حضرت عدیؓ بن حاتم طائی نے حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے جب اس آیت پر یوں معارضہ پیش کیا کہ ''ہم اپنے علما اور درویشوں کو ربّ نہیں کہتے؟''

تو رسول اللہ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا تھا:

''تم انکے حلال کردہ کو حلال گردانتے ہو اور حرام کردہ کو حرام، یہی انہیں ربّ بنانا ہے۔'' [۱۶]

لہٰذا حقوقِ الٰہی میں دخل اندازی خواہ علما کی تسلیم کی جائے یا حکومت و عوام اور پارلیمنٹ کی، یہ انہیں ربّ بنا لینے کے ہی مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ سلف نے خود کو کبھی اتھارٹی قرار نہیں دیا، بلکہ اس سلسلہ میں خود انہوں نے اپنے اقوال کو کتاب و سنت پر پیش کرنے اور یوں اپنے استدلالات کی صحت و غلطی کا جائزہ لینے کی تلقین کی ہے۔

جہاں تک موجودہ فقہی مکاتبِ فکر کی بات ہے تو یہ واضح رہنا چاہئے کہ موجودہ مذاہبِ فقہ

یا فرقے نہ تو انہوں نے بنائے اور نہ ہی یہ ان کے زمانہ میں موجود تھے بلکہ یہ تو مخصوص حالات کے نتیجہ کے طور پر ان ائمہ کی بلا جواز اور جامد تقلید کے ذریعے چوتھی صدی ہجری میں معرضِ وجود میں آئے۔ لہٰذا ان مذاہب یا فرقوں کو خود ان کے زمانہ میں ثابت کرنا ناممکن ہے کجا یہ کہ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے ادوارِ خلافت سے آگے بڑھ کر دورِ خلافت راشدہ میں ان کا وجود ثابت کرنے کی جسارت کی جائے۔

پس جب ائمہ سلف یا ان کی فقہ...... جو ان کے متوسلین نے بعد میں ترتیب دی ہے...... اتھارٹی نہیں، حالانکہ یہ کتاب وسنت پر عبور رکھتے تھے تو پھر جدید دور کے سیاسی قائدین اور حکومت یا ان کے اجتہادات ...... جو اجتہاد کی ابجد سے بھی واقف نہیں، تاوقتیکہ کتاب وسنت کی ماہرانہ بصیرت حاصل کریں...... کیونکر اتھارٹی قرار دیے جاسکتے ہیں؟

غور فرمایئے! عیسائیت جیسی سابقہ شریعت ...... جو اب تک حکومتوں کی سرپرستی میں علما کی کونسلوں کے ذریعے مدوّن کی جاتی رہی ہے...... ان کے حلال وحرام کو بھی حتمی سمجھنا قرآن مجید نے خدائی اختیارات میں دخل اندازی قرار دیا ہے تو اب شریعتِ محمدی سیاسی برزجمہروں یا حکومتوں کے ہاتھوں انجام پذیر ہوکر کیونکر اتھارٹی بنے گی اور اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ ...... عیسائیت کی تدوین کے بارے میں اب تک بیس سے زیادہ کونسلوں نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے، وہ آپکے سامنے ہے۔ ان میں بعض کونسلیں ایسی تھیں کہ حکومت کی سرپرستی میں ان میں دو دو ہزار کے قریب علما شریک ہوتے رہے، بایں ہمہ اس پاپائیت کو قبول نہیں کیا جاسکتا، تو وضع شریعت یا تعبیر شریعت کے نام پر پارلیمنٹ یا حکومت کا 'حق سبحانی' کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے؟[۱۷]

تدوین (فقہ کی ترتیبِ نو) اور تقنین (دفعہ وار قانون سازی) کا فرق

جہاں تک کتاب وسنت کی بجائے جدید انداز پر دفعہ وار دستور وقانون کی شکل میں شریعت کی تشکیل نو کا مسئلہ ہے جسے اجتماعی اجتہاد بھی کہا جارہا ہے تو تقنین شریعت کی یہ صورت کوئی پختہ اسلامی تصور نہیں ہے بلکہ یہ تصور مغرب سے متاثر جدید ذہن کی پیداوار ہے جو فرانس کی تقلید میں مسلمانوں میں درآمد ہوا ہے۔ ورنہ صحیح تصور یہ ہے کہ شریعت (کتاب اللہ) اور

© rasailojaraid.com

اس کی تعبیر (سنت وحدیث) مکمل ہوکر بہت پہلے ائمہ سلف اُسے مدوّن بھی کر چکے ہیں۔ البتہ جہاں تک اجتہاد کا تعلق ہے تو پہلے فقہا کے اجتہادات اگرچہ فقہ و فتاویٰ کی ضخیم کتابوں کی صورت میں مدوّن موجود ہیں، تاہم جدید طرز پر ان کی اجتماعی تدوین نومقصود ہوتو یہ کام غلط نہیں بلکہ جدید موسوعاتِ فقهية کی شکل میں اپنی افادیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، بشرطیکہ یہ کام صاحبِ تقویٰ اور علم وبصیرت کے حامل لوگوں کے ہاتھوں ہی انجام پائے۔ لیکن اس وقت اجتماعی اجتہاد کے حوالے سے جس نکتہ پر ہم گفتگو کررہے ہیں، وہ فقہ واجتہاد کی تدوین نو کا مسئلہ نہیں بلکہ تدوین کے مغالطہ میں تقنین (شریعت کی قانون سازی) کی ضرورت کا ہے، جسے دراصل جدید عربی ذومعنی لفظ 'تشریع' سے پیش کیا جارہا ہے۔ لہٰذا اس موضوع پر گفتگو کے وقت تدوین وتقنین کا فرق ملحوظ رہنا چاہئے، یعنی تدوین تو فقہ واجتہاد کو ترتیب دینے کا نام ہے جس کی تقلید بالخصوص علما اور قضاۃ پر لازمی نہیں ہوتی، جبکہ تقنین اپنے الفاظ میں کسی خاص تعبیر وتدوین شریعت کو قانونی جامہ پہنانے کا نام ہے جو حتمی امر ہوکر ایک طرف شریعت سازی اور خدائی اختیارات میں دخل اندازی کا موجب بنتی ہے تو دوسری طرف اسے اجتہاد بھی نہیں قرار

☆ شریعت (کتاب وسنت) کی وحی الٰہی ہونے کے ناطے امتیازی حیثیت مسلمہ ہے۔ یعنی اگر اس کا ثبوت محدثین کے مسلمہ معتمد طریقوں سے حاصل ہو جائے تو اجتہاد کی ساری وسعتیں انہی حدود میں رہیں گی، البتہ اجتہاد کے دعوے سے شریعت کی تشکیل نو کا سوال غلط ہے کیونکہ شریعت کا فہم یا اس کے وہ احکام جو انفرادی یا اجتماعی اجتہاد کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں، ان کے بارے میں خواہ اجتماعی اجتہاد کو انفرادی اجتہاد پر کتنی بھی اہمیت کیوں نہ دی جائے یا اجتماعی اجتہاد کی بہتر سے بہتر صورتیں تلاش کرلی جائیں لیکن اسے شریعت کے قائم مقام یا تشکیل نو قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ وحی الٰہی اور انسانی فقہ واجتہاد کا بہرصورت فرق واضح ہے۔ وحی الٰہی (کتاب وسنت) کی حیثیت عالمگیر اور دائمی ہوتی ہے جبکہ فقہ واجتہاد کی تدوین حالات وزمانہ کی ضرورت کے مطابق ہوتی ہے۔ فقہ کی تدوین نو کو شریعت کی تشکیل نو قرار دینا غلط ہے۔ تدوین اور تقنین کے فرق سے ہم شریعت اور فقہ کا یہی علمی اور قانونی مرتبہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اجتماعی اجتہاد کے مغالطے میں نہ تو اسے شریعت کی تشکیل نو قرار دیا جائے اور نہ ہی اجتماعی اجتہاد کو اُصولِ فقہ کی معروف اصطلاح میں 'اجماع' سمجھا جائے۔ لہٰذا جب ہم شریعت کی تشکیل نو یا شریعت کی تقنین (دفعہ وار قانونی شکل) پر تکیہ کرنے کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں تو اُس کا مقصد یہی ہے کہ جدید فقہ کی کوششوں کو مروّجہ دستور وقانون کی شکل دینے سے احتراز کیا جائے تاکہ علما اور قضاۃ کے لئے اجتہاد کی شرعی آزادی کا حق باقی رہے۔

www.KitaboSunnat.com

دیا جاسکتا کیونکہ اجتہاد سے تو شریعت کی وسعتیں حاصل ہوتی ہیں جبکہ تقنین سے فرد ومعاشرہ کو ایک خاص تعبیر شریعت کی تقلید کا پابند قرار دے کر اجتہاد کے دروازے ان پر بند کردیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کی نظر میں اس کا نام اِصر و أغلال☆ ہے جسے ختم کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تھے۔(۱۸) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ...... ﴾(۱۹)

''یہ (رسولؐ) ان سے وہ بوجھ اور بندشیں دور کرتے ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے ہیں۔''

سعودی عرب کے مشہور مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن بازؒ جدید انداز میں شریعت کی تقنین کے بجائے علما اور قضاۃ کو کتاب وسنت سے براہ راست استفادہ اور اسی کی حدود میں رہنے پر زور دیتے جس کی تشریح اور تفصیل کے لئے مسلمانوں کا وسیع علمی ورثہ ائمہ اسلاف نے چھوڑا ہے۔ اس کے لئے وہ درج ذیل قرآنی آیات سے استدلال کرتے :

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾(۲۰)

''اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) سے فیصلہ نہیں کرتے، وہی لوگ کافر ہیں۔''

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾(۲۱)

''اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) سے فیصلہ نہیں کرتے، وہی لوگ ظالم ہیں۔''

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾(۲۲)

''اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) سے فیصلہ نہیں کرتے، وہی لوگ فاسق ہیں۔''

علماء قضاۃ کے لئے ان کا استدلال مَا أنزل الله کے لفظ سے بڑا زوردار ہوتا، کیونکہ مَا أنزل الله سے مراد صرف وحی ہے جو کتاب وسنت میں ہی منحصر ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی

☆ شریعت (کتاب وسنت) کی تقنین کا ایک ناقص پہلو یہ بھی ہے کہ وحی الٰہی کو انسانی الفاظ میں پیش کرنے سے اس میں وہ گہرائی اور گیرائی باقی نہیں رہتی جو وحی کا معجزانہ جوہر ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا عالم احکامِ الٰہی کو وحی سے بہتر الفاظ میں پیش کرنے پر قادر نہیں۔ یہی بات سابق صدرِ پاکستان جناب غلام اسحٰق خاں سے ایک مجلس میں جسٹس گل محمد نے اُس وقت کہی جب صدر صاحب نے جج حضرات کی شرعی ٹریننگ کی بجائے شریعت کی متفقہ دفعہ وار تقنین پر زور دیا تو جناب جسٹس صاحب نے ایمان افروز الفاظ میں یوں جواب دیا کہ ''شریعت تو وحی الٰہی ہے جو کتاب وسنت کی صورت میں مکمل بیان کر دی گئی ہے۔ اب کیا ہم وحی سے بہتر تعبیر پیش کرسکتے ہیں؟'' اس جواب پر مجلس میں خاموشی چھا گئی۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

انسانی تعبیر کو مَا أنزل اللہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ گویا فقہ اور شریعت میں فرق ہے۔ اہل علم کے لئے شریعت الٰہی کی پابندی ضروری ہے جبکہ ان کے لئے فقہی اختلافات میں توسع کی گنجائش ہے۔ تقنین شریعت کے بعض پہلوؤں پر سابق صدرِ پاکستان جناب جسٹس (ر) محمد رفیق تارڑ صاحب سے ان کی بالمشافہہ گفتگو کے علاوہ خط وکتابت بھی ہوتی رہی۔

اسلامی شریعت کے دامن میں وسعتیں ہیں، انسانی جکڑ بندیاں نہیں!

سابقہ آیات میں وہی سابقہ شریعتوں جیسی تدوین وتقنین کی جکڑ بندیوں کی طرف اشارہ ہے لیکن ستم تو یہ ہے کہ آج کے متجددین، اُمت ِمسلمہ کو دوبارہ انہی جکڑ بندیوں میں دھکیل دینا چاہتے ہیں جن سے اللہ ربّ العزت نے رسول کریم ﷺ کے ذریعے اپنے بندوں کو نجات دلائی تھی ...... طرفہ یہ کہ اس نظریہ کے حامل لوگ جس شدومد سے تقلید کی مخالفت کرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ شوروغوغا آرائی کے ساتھ حکومت یا پارلیمنٹ کی تعبیر وتقنین کو اتھارٹی منوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ فکرونظر کا یہ کتنا بڑا تضاد ہے؟ ...... کیا یہ بات سوچنے کی نہیں کہ کسی امام سلف کی تقلید اگر ان کی مہارتِ علمی کے باوجود لازمی نہیں تو آج کی پارلیمنٹ بغیر کسی ضمانتِ صحت اور دلیل کے کیونکر اتھارٹی بن سکتی ہے؟

بعض حضرات نے علامہ اقبالؒ کے حوالہ سے ترکی میں 'گرینڈ نیشنل اسمبلی' کے فیصلوں کو بھی شرعی اجماع کے مساوی قرار دیا ہے کہ خلافت یا امامت کوئی افراد پر مشتمل ادارے یا منتخب اسمبلی کے سپرد کیا جاسکتا ہے اور اسی بنا پر پارلیمنٹ کو خلیفہ یا امام کے قائم مقام ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ خلیفہ یا امام کو یہ مقام کہاں حاصل ہے کہ 'تعبیر نو' کے نام پر وہ شریعت کی تقنین کرے؟ اسلامی تاریخ میں یہ عجمی تصور سب سے پہلے خلیفہ منصور کے عجمی ادیب عبد اللہ ابن المقفع نے پیش کیا، جس کا ذکر اس کے ایک رسالہ مشمولہ جمهرة رسائل العرب میں بھی ملتا ہے۔ لیکن یہ عجمی فکر امام مالکؒ وغیرہ ائمہ دینؒ کی پُرزور مخالفت کی بنا پر نہ صرف پنپ نہ سکا بلکہ ابن المقفع کے ایسے ہی لادین افکار اسے ارتداد تک لے گئے اور انہی کی پاداش میں وہ قتل کردیا گیا۔

کوئی عظیم امام بھی اپنے فہم شریعت کو عائد کرنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا!

کلیلہ ودمنہ کے مصنف ابن المقفع کے اس تصور کی وجہ بھی وہی تھی، جو آج کل کے

متجد دین فقہی اختلافات کے حوالے سے پیش کررہے ہیں۔ اس نے خلیفہ منصور سے یہ کہا تھا کہ مفتی حضرات کے اختلاف فتاویٰ اور قاضیوں کے متنوع فیصلوں کی بنا پر فکری انتشار بڑھ رہا ہے، لہٰذا بہتر ہوگا کہ خلیفہ ان تمام مختلف آرا کو جمع کرکے ان سے متعلق ایک ایسی حتمی رائے متعین کردے، جس کے سب مفتی اور قاضی حضرات پابند ہوں۔ لیکن امام مالکؒ نے اس فکر کی بھرپور مخالفت کی اور تادم آخر کرتے رہے۔[۲۳] ان کا مشہور مقولہ ہے کہ

"ما من أحد إلا وهو مأخوذ من كلامه ومردود عليه إلا رسول الله ﷺ"

''رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر کسی کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے مگر رسول اللہؐ کی بات صرف قبول ہی کی جائے گی، ردّ ہرگز نہیں کی جائے گی۔''[۲۴]

آخری مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے اسی تجویز کو امام مالکؒ کے سامنے ایک دوسری صورت میں پیش کیا کہ کیوں نہ امام مالکؒ کی موطأ کو کعبہ میں لٹکا کر جملہ دیار وامصار کے مجتہدین کو اس کا پابند بنا دیا جائے؟ لیکن آپؒ نے اس صورت کو بھی قبول کرنے سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ موطأ ساری شریعت کا مجموعہ نہیں جبکہ صحابہؓ وتابعینؒ کے مختلف علاقوں میں پھیل جانے سے احادیث لوگوں کے پاس پہنچ چکی ہیں اور وہ ان پر عمل کررہے ہیں، لہٰذا اصل میں وحی کی اتباع ہی ضروری ہے، خواہ وہ موطأ میں مندرج ہو یا خارج موطأ،[۲۵] یوں یہ عجمی فکر ایک لمبے عرصہ تک دوبارہ سر نہ اُٹھا سکا۔

امام ابوحنیفہؒ تو اس سے بھی بڑھ کر محتاط تھے۔ قاضی کا اجتہاد اگرچہ شریعت کی ایک خاص تعبیر ہوتا ہے اور وہ غلطی کے امکان کے باوجود لاگو بھی ہوتا ہے، تاہم امام ابوحنیفہؒ نے منصب ِقضا کو قبول کرنے سے صرف اس خطرے کی بنا پر انکار کردیا کہ قضا وقانون کے میدان میں مبادا ان پر دباؤ ڈالا جائے اور حکومت ِوقت انہیں اپنی خواہشات کے سامنے جھکنے پر مجبور کرے۔[۲۶]

اسی طرح امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے عقیدہ وعمل کے بعض بظاہر معمولی مسائل میں حکومت کی فکری آمریت کو تسلیم نہ کیا۔ اس جرم میں انہوں نے ذلت ونکبت کو تو بخوشی قبول کرلیا، لیکن دین وشریعت پر آنچ نہ آنے دی۔ ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ اقتدارِ حکومت اور شریعت کی اتھارٹی دو علیحدہ امر ہیں۔ حکومت ِوقت چونکہ اپنی 'تعبیر شریعت' پر مجبور کرکے اپنے اختیارات سے تجاوز کررہی ہے، لہٰذا خلافت تسلیم ہونے کے باوجود تعبیر شریعت کی یہ آمریت

© rasailojaraid.com

ہرگز قبول نہیں کی جاسکتی۔ گویا ائمہ سلف نے سیاسی مسائل میں بھی آمریت کو منظور نہ کیا اور اس کی خاطر اپنی جان اور عزت بھی داؤ پر لگا دی۔[۲۷]

بعض دانشور علامہ اقبالؒ کی آرا کو ترجیح دیتے ہوئے جب ائمہ اسلاف پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ ملوکیت کی حمایت کے لئے فقہی موشگافیاں کرتے رہے، اس لئے ائمہ اسلاف کی پیروی کی بجائے جمہوری دور میں آزاد عوامی آرا کا احترام کیا جائے گا تو ان کی رائے پر تعجب ہوتا ہے۔ کیا مذکورہ بالا قربانیوں کے بعد اُمت کے محسنوں کو دورِ ملوکیت کا پروردہ کہا جاسکتا یا ان کو آمریت کی ہم نوائی کا طعنہ دیا جاسکتا ہے؟

اس بحث سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ اگر ان ائمہ سلف کی آرا اس بنا پر دین میں لازمی حجت تسلیم نہیں کی جاسکتیں کہ وہ انفرادی حیثیت رکھتی ہیں تو کیا علامہ اقبالؒ کی رائے بھی انفرادی رائے نہیں، اس رائے پر کون سی اسمبلی کا اجماع ہوچکا ہے؟ الغرض اگر ائمہ سلفؒ کی تقلید بُری شے ہے تو یہی شے علامہ اقبالؒ کا نام آجانے سے قابل تعریف کیونکر ہوجائے گی؟ علامہ اقبال، جو بذاتِ خود تقلید کے بجائے اجتہاد پر زور دیتے ہیں، کیسے اپنی تقلید پر راضی ہوسکتے تھے؟ (جاری ہے)

حواشی وحوالہ جات

① ا. اقبالؒ، علامہ محمد: تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، اُردو مترجم: سید نذیر نیازی، مکتبہ کارواں پریس، انارکلی لاہور (۱۹۵۸ء) ص ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۶۸، ۲۷۵

ب. 'اشراق'، ماہنامہ، لاہور (جون ۲۰۰۱ء) ص ۳۱، ۳۲ مدیر: جاوید احمد غامدی

ج. افضال ریحان: اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، انٹرویو ناصر شمسی، مطبع دار التذکیر (۲۰۰۴ء) ص ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۳۴

د. 'میثاق'، ماہنامہ لاہور (اکتوبر ۱۹۹۷ء) ص ۱۹ مدیر: ڈاکٹر اسرار احمد

ھ. یوسف گورایہ، ڈاکٹر محمد: روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۱۸/ نومبر ۱۹۸۶ء

و. 'طلوعِ اسلام'، ماہنامہ لاہور (اکتوبر ۱۹۹۲ء)

ز. یوسف گورایہ، ڈاکٹر محمد: جدید اسلامی ریاست میں تعبیر شریعت کا اختیار، شیخ محمد اشرف، لاہور

② 'میثاق'، ماہنامہ لاہور (اکتوبر ۱۹۹۷ء) ص ۲۵ مدیر: ڈاکٹر اسرار احمد

③ ا. امین احسن اصلاحی، مولانا: اسلامی قانون کی تدوین، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور (جون ۱۹۷۶ء) ص ۴۳، ۴۴، ۴۳، ۶۳

ب. خالق داد رانجھا: اسلام میں قانون سازی، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ص ۴۷،۹۴

ج. 'میثاق'، ماہنامہ لاہور (اکتوبر ۱۹۹۷ء) ص ۲۵ مدیر: ڈاکٹر اسرار احمد

④ 'میثاق'، ماہنامہ لاہور (ستمبر ۱۹۹۷ء) ص ۶ تا ۱۰ خصوصاً ص ۷ مدیر: ڈاکٹر اسرار احمد

⑤ ا. محمد بن ابراہیم آل الشیخ، مفتی اکبر سعودی عرب: رسالہ تحکیم القوانین (عربی)

اُردو ترجمہ حافظ حسن مدنی: ماہنامہ 'محدث' لاہور (اگست ۱۹۹۳ء) ص ۱۳۳ تا ۱۴۷

ب. سفر بن عبدالرحمٰن الحوالی، ڈاکٹر: شرح رسالہ تحکیم القوانین (عربی خطاب)،

اُردو ترجمہ محمد بن صدیق طابع وناشر غیر مذکور

☜ خلیجی ممالک میں تقنین شریعت کے موضوع پر درج ذیل دو کتابیں قابل ذکر ہیں:

ج. عبدالرحمٰن عبدالعزیز القاسم: الاسلام وتقنين الأحكام في البلاد السعودية، مطبعة المدنی، شارع عباسیہ، قاہرہ ص ۴۳ تا ۷۷

د. محمد ذکی عبدالبر، ڈاکٹر: تقنين الفقه الإسلامي، ادارہ احیاء التراث الاسلامی، قطر، ص ۸۳، ۸۴

⑥ ا. الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر: جامع البیان فی تاویل القرآن، آیات ۴۷ تا ۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۹۹۲ء)، ج ۵/ص ۲۴۶

ب. ابن کثیر قرشی دمشقی، ابو الفداء حافظ عماد الدین اسمٰعیل تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ دار السلام، ریاض (۱۹۹۲ء) ج ۲/ص ۱۶۹، ۱۷۰

⑦ اقبالؒ، علامہ محمد: تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، اُردو مترجم: سید نذیر نیازی، مکتبہ کارواں پریس، انارکلی لاہور (۱۹۵۸ء) ص ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۴، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۷

⑧ امین احسن اصلاحی، مولانا: اسلامی قانون کی تدوین، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور (جون ۱۹۷۶ء) ص ۹۲

⑨ ابن تیمیہ، شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم: مقدمہ اصولِ تفسیر (عربی)، مترجم: عبدالرزاق ملیح آبادیؒ، مکتبہ سلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور (۱۹۷۰ء) ص ۱۰

⑩ سورۃ المائدۃ/۳ ⑪ سورۃ النحل/۸۹

⑫ سورۃ النحل/۴۴ ⑬ سورۃ القیامہ/۱۷ تا ۱۹

⑭ عبدالرحمٰن مدنی، حافظ: پاکستان میں شریعت کی عمل داری میں تاخیر کیوں؟ ماہنامہ 'محدث' لاہور: ج ۸/عدد ۱۰، ۱۱، ص ۳ تا ۱۳

⑮ سورۃ التوبہ/۳۱

⑯ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ: موسوعۃ الحدیث الشریف (جامع الترمذی) مکتبہ دار السلام،

© rasailojaraid.com

الریاض، حدیث نمبر: ۳۰۹۵

⑰ ا عبدالرحمٰن مدنی، حافظ: شریعت محمدی یا سرکاری؟ ماہنامہ محدث، لاہور: ج ۱۷/عدد ۳، ص ۲ تا ۷

ب. اکرام اللہ ساجد: قانون سازی کی بجائے کتاب وسنت کی دستوری حیثیت، ماہنامہ محدث، لاہور: ج ۱۴/عدد ۱۱، ص ۲ تا ۷

⑱ ا اور ب : (ایضاً)

⑲ سورۃ الاعراف/ ۱۵۷

⑳ سورۃ المائدۃ/ ۴۴

㉑ سورۃ المائدۃ/ ۴۵

㉒ سورۃ المائدۃ/ ۴۷

㉓ الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین: کتاب تذکرۃ الحفاظ، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد دکن (۱۹۵۶ء) ج ۱/ص ۲۰۹

㉔ ارشاد السالک، ج ۱/ص ۲۲۷

㉕ عبدالرحمٰن محدث مبارکپوریؒ، مولانا: مقدمۃ تحفۃ الاحوذی، دارالکتاب العربی، بیروت، ص ۸۵

㉖ محمد ابوزہرہ: حیات امام ابوحنیفہؒ، مترجم غلام احمد حریری، ملک سنز، فیصل آباد (۱۹۸۳ء) ص ۹۷

㉗ ا. ابن عبدالبر: الانتقاء، ص ۴۳، ۴۴

ب. ابن الجوزی: مناقب احمد بن حنبل، مطبعۃ عبدالفتاح الطّویل، قاہرہ، مصر: ص ۴۱۶ تا ۴۵۸

محترم حافظ حسن مدنی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مارچ ۲۰۰۵ء کے محدث میں روپرٹ مردوخ 'شہنشاہِ عالم' کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا۔ میرے ناقص علم کے مطابق وسیع قوت کا مالک ہونے کے باوجود اس کو 'شہنشاہ' کے لفظ سے تعبیر کرنا درست نہیں۔ کیونکہ امام نوویؒ ریاض الصالحین میں باب تحریم قول شهنشاه للسلطان وغيره لأن معناه ملك الأملاك کے تحت یہ حدیث ذکر کرتے ہیں:

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: إن أخنع اسم عند الله رجل تسمّى 'ملك الأملاك' (متفق عليه) قال سفيان بن عيينة : ملك الأملك مثل 'شهنشاه'

یہاں اپنے آپ کو صفت سے متصف کرنے والا وہ خود نہیں، بلکہ ہم اسکو یہ اعزاز دے رہے ہیں۔ اُمید ہے درستگی فرمائیں گے، اگر میری رائے سے اتفاق نہ ہو تو میری اصلاح فرمائیے!

وجزاك الله خيرا والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

اعجاز حسن متعلّم مدینہ منورہ یونیورسٹی

www.KitaboSunnat.com